

عدل اجتماعی کے تناظر میں اسلامی نظام معاشرت کے تخصصات

*Islamic Social System's Characteristics in the Context of Social Justice***Dr. Sumbal Ashraf**

Assistant Professor, Department of Islami Studies, LCWU, Lahore

Email: drsumbalashraf@gmail.comORCID: <https://orcid.org/0000-0001-6874-7053>**Dr. Sadaf Sultan**

Assistant Professor, Department of Islami Studies, LCWU, Lahore

Email: drsadaflcwu@gmail.comORCID: <https://orcid.org/0000-0001-8473-2345>**ABSTRACT:**

Islam is a complete code of conduct and has a basic view of the universe, life and human being. The concept of "Social Justice" is the core of this idea, which presents the Islamic justice as a complete and comprehensive humanitarian law that is not limited to materialistic or economic issues. According to that, values of life are spiritual as well as materialistic too and distinguishing the two is not correct. Humanity is a unite entity in which the various elements coexist, co-ordinate and share sense of responsibilities. The cohesiveness of the individual and congregation is very deep, and the existence of the two is interrelated. The social justice describes a rule about this interrelationship and describes all the details, like, the relationship of the individual to his or her self, then with his or her immediate family, then with the community. In addition, in the same way, the principles of fairness are shared by one nation with another and between generations, everything is driven with the rule of social justice. The collective justice considers the relationship of the individual and society as sharing mutual responsibilities. We would now understand some of the basic characteristics of the Islamic society in the context of social justice, whose practical application lies in the development of society.

Keywords:

Social Justice, Human Rights, Welfare of Humanity, Individual and Collectivism, Peace and Harmony.

عدل اجتماعی کا نظریہ اسلامی عدل کو وسیع اور جامع انسانی عدل کے طور پر پیش کرتا ہے جو کہ صرف مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں، اس کے نزدیک زندگی کی قدریں بہ یک وقت مادی بھی ہیں اور معنوی بھی، دونوں میں تفریق کرنا صحیح نہیں انسانیت ایک جامع وحدت ہے، جس کے مختلف عناصر باہم مربوط و ہم آہنگ اور ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ عدل اجتماعی تین بنیادی اصولوں پہ مبنی ہے ا۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر، ۲۔ کامل انسانی مساوات، ۳۔ ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل۔ پہلے اصول کا یہ تقاضا ہے کہ لوگوں کے ضمیر کو غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت و فرماں برداری سے آزاد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ لوگوں کی عزت و آبرو اور ان کے شرف و جاہ کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ اس میں خود داری اور عزت نفس پرورش پائے اور وہ عدل و انصاف کے قیام کے نگران و محافظ بن کر رہیں۔ دوسرے اصول کے مطابق انسانوں میں مساوات کو یقینی بنانا ہے اور بغیر کسی تفریق کے سب کے لئے ایسا ماحول بنانا ہے جس میں انسان اپنی جان، پیٹ بھرنے کے لئے غذا اور زندگی میں اپنی حیثیت ان تمام کے سلسلے میں ہر طرح کے خوف سے آزاد رہے اور سب کی ایسی اخلاقی تربیت کی جائے کہ جس میں کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے، اس طرح قانون کے علاوہ ان باتوں کے ذریعے بھی وہ ایک مکمل اور ایک مطلق عدل اجتماعی کے قیام کی ضمانت دے۔ تیسرے اصول کے مطابق فرد اور معاشرے کے باہم حقوق طے کرتا ہے انسان مدنی الطبع ہے یعنی فطری طور پہ اجتماعیت پسند ہے اُس اور مل جل کر زندگی بسر کرنا اس کا فطری تقاضا ہے اس ضمن میں یہ اصول نہ تو فرد کو بے لگام چھوڑتا ہے اور نہ ہی معاشرے کو اس کی انفرادیت کچلنے کی تحریک دیتا ہے بلکہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک ایسا راستہ پیش کرتا ہے کہ جس میں انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے ذمہ داریوں کا یہ اشتراک ایک کامیاب نظام معاشرت کی بنیاد رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیات مبارکہ اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کے تناظر میں اسلامی نظام معاشرت کے چند بنیادی تخصّصات درج ذیل ہیں۔

1: اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔

2: حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام۔

3: انسانی حقوق کا تعین و تحفظ۔

4: انفرادی حقوق کا تحفظ۔

5: معاشی تحفظ۔

6: حق تعلیم۔

7: فرد اور جماعت میں مکمل وحدت۔

8: باہمی تعاون، ہم آہنگی کی مستحکم فضا۔

1: اعلیٰ ترین حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے:

سید قطب شہید لکھتے ہیں: آج تک دنیا میں جتنے بھی نظریات وجود میں آئے ہیں وہ مختلف فلسفوں کی ترجمانی کرتے ہیں اور یہ تمام نظریات نامکمل ہیں اسی لئے ناکام ہیں۔ ان سب نظریات میں صرف ایک نظریہ ہے جو کہ ہر طرح سے کامل ہے اور کائنات و انسانیت کے تمام شعبوں کے متعلق مکمل نظام وضع کرتا ہے اس کے ساتھ مکمل آداب و احکامات بھی دیتا ہے اسلام کے پاس اپنا ایک حقیقی نظریہ اور جامع فکر موجود ہے جو اس کے بنیادی و فکری ماخذ قرآن و حدیث اور حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ نیز آپ ﷺ کے طرز عمل سے اخذ شدہ ہیں۔ اسلام نے خالق و مخلوق، انسان، حیات و کائنات، انسان اور اس کی اپنی ذات، فرد و جماعت، فرد و ریاست بحیثیت مجموعی اقوام انسانی اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت و مزاج سے بحث کی ہے۔ اس نے ان میں سے ہر ایک کے سلسلہ میں اپنے اصولی موقف اور تفصیلی نظریات کی بنیاد ایک جامع اور ہمہ گیر فکر پر رکھی ہے۔ اسلام ایک ناقابل تقسیم کل ہے جس کا ہر جز و دوسرے اجزاء سے گہرے طور پر مربوط ہے اور حیات انسانی کے لئے یہ نظام اسی وقت نفع بخش ہو سکتا ہے جب اسے پورے کا پورا اپنایا جائے۔¹

جب ہم اسلامی نظام معاشرت میں عدل اجتماعی کے تناظر میں اس کے بنیادی تخصصات پر بحث کریں گے تو اس کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ اس نظام معاشرت میں حاکمیت اعلیٰ یا مکمل اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جو کہ تمام کائنات کے خالق و مالک ہیں اور وہی اعلیٰ و برتر ذات اس بات کی حقیقی حقدار ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں ان کے احکامات کی بجا آوری کو یقینی بنایا جائے۔

i: حاکمیت الہیہ:

اس سے مراد ایک ایسی قوت ہے جو مملکت میں قانون بنانے اور اسے نافذ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو اور جس کی ہستی اور طاقت لامحدود ہو، یہ ہستی اپنی طاقت و اقتدار میں واحد اور لاشریک ہو، غیر فانی ہو، اس کی تمام کائنات پر حکمرانی ہو، اس کے اختیار اور اس کے بنائے ہوئے قانون میں رد و بدل کرنے کا کوئی مجاز نہ ہو۔ قرآن کریم واضح طور پر کہتا ہے کہ اس تمام کائنات کے خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ﴾²

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائیگا۔“

﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾³

”کہہ دو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا (اور) زبردست ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ہر طرح سے واحد و یکتا ہیں نہ صرف ذاتی بلکہ صفاتی لحاظ سے بھی کوئی ذات ان کی طاقت و اختیار میں کسی بھی طرح حصہ دار نہیں ہے اور وہ وحدہ لا شریک ہیں اور اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتے بلکہ ایسا سوچنا بھی بعید از قیاس ہے۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾⁴

”جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے۔“

قرآن مجید انسان کو بار بار یہ تاکید کرتا ہے کہ انسان کے خالق و مالک اور رب صرف اللہ تعالیٰ ہیں تو وہ ان کے سوا کسی اور کو اپنا معبود تسلیم نہ کرے۔ نظام کائنات کو چلانے کے لئے اصولی طور پر بھی یہ بات بہت ضروری ہے کہ اس کو چلانے کے لئے تمام اختیار صرف ایک با اختیار ذات کے ہاتھ میں ہوا اگر یہی نظام ایک کی بجائے دو ہستیوں کے اختیار میں ہوتا تو یہ نظام ہر گز اتنی خوش اسلوبی سے نہ چل رہا ہوتا۔ اس سلسلے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾⁵

”اگر آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔“

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور لافانی ہے اس میں حیات ابدی پائی جاتی ہے جو اسے تمام مخلوق سے برتر و افضل کرتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾⁶

”وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔“

مندرجہ بالا آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت و اختیار کی کوئی انتہا نہیں وہ ہمیشہ قائم رہنے والی ذات ہیں ان کے پاس ہر طرح کا علم غیب ہے اور تمام کائنات پر ان کا غلبہ ہے جو کہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔ یہ تمام وہ صفات ہیں جو کہ اقتدار اعلیٰ کی حامل ہستی کے لئے اشد ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی صرف یہاں تک محدود نہیں بلکہ قیامت اور بعد از قیامت بھی ہمیشہ وہی حاکم اعلیٰ ہیں اور رہیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ﴾⁷

”روز جزا (قیامت) کا مالک ہے۔“

خلیل الرحمن چشتی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کی سب سے اہم اور ضروری وجہ انسانوں میں حاکمیت اور محکومیت کے امتیازی دائروں اور پیمانوں کو مٹانا ہے تاکہ ہر انسان کو آذاد زندگی بسر کرنے کے مواقع مل سکیں تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی اس طرح تخلیق کے عمل سے ہی تمام انسان ابتداء ہی سے یکساں ہیں اور سب آپس میں برابر ہیں کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی برتری یا فضیلت حاصل نہیں ہے چنانچہ ان کی ایک دوسرے پر حاکمیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔⁸

اللہ ذوالجلال والا کرام کی حاکمیت دراصل انسانوں کو ایک دوسرے کی حاکمیت سے نجات دلاتی ہے اور صرف اپنے رب پاک کی بندگی و اطاعت لازم ٹھہراتی ہے۔ کسی انسان کو ہر گز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ جبر و قہر اور تسلط و غلبے کے ذریعے کروڑوں انسانوں کی گردنوں پر مسلط ہو جائے اور بالجبر ان سے اپنے احکام کی تعمیل کروائے۔ عدل اجتماعی کے تناظر میں بلا امتیاز تمام انسانوں کو ان کے حقوق سے بہرہ ور کیا جاتا ہے اور ان میں معاشرتی، عمرانی، اور قانونی مساوات کو بروئے کار لاتا ہے کیونکہ عدل اجتماعی کی بنیاد ہی انسانی حاکمیت کی نفی اور خالق کائنات کی حاکمیت اعلیٰ کے تصور پر ہے۔

ii: حاکمیت قانون الہیہ:

اللہ تعالیٰ کو دنیا کے نظام اجتماعی پر ہمیشہ سے آج تک جو اقتدار حاصل رہا ہے تاریخ عالم کے ہر دور میں عقلائے زمانہ نے اس کو دلی عقیدت سے تسلیم کیا ہے یہی اقتدار حکومت الہی کی اصل ہے لیکن دنیا کے عام مطمع نظر کے اعتبار سے اس اقتدار کو تسلیم کر لینے کے بعد جو بات اہم تر ہے وہ یہ ہے کہ فطری حکومت کا تمام کام خدا کے ان پیغمبروں کے ہاتھوں میں آکر مکمل تنظیم کی صورت اختیار کرتا ہے جن کی صداقت پر لامذہب انسان بھی حرف نہیں لاسکتے۔

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں: اس بنا پر یہ کہنا آئینی وقعت رکھتا ہے کہ حکومت الہی اور خلافت انبیاء دونوں ایک ہی تصور حکومت کے دو رخ ہیں۔ حکومت الہی کے نظریے کا رجحان ہمیشہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہوتا ہے اور خلافت انبیاء کا میلان ہر زمانہ میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف رہا ہے۔ اسلام کے سیاسی نظریہ کا پہلا کلیہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام حقیقتیں ایک حقیقت کبریٰ میں گم ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی تخلیق فرمائی ہے ان کا ارادہ بلندی کی منتہا سے دنیا پر حکومت کر رہا ہے ان کی مرضی کچھ ایسے لوگوں کو چھانٹ لیتی ہے جو دنیا میں اس کے اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ دینی اساس کی بنا پر دنیا کی تنظیم و ترقی میں خدا کے نائب کی حیثیت سے حصہ لیتے ہیں یہ اسلامی نظریہ

کا دوسرا کلیہ ہے کہ ہر پیغمبر اپنے زمانہ میں خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے امامت امت کے منصبِ عظمیٰ پر فائز رہے ہیں۔ حکومتِ الہی اور خلافتِ عظمیٰ کے تمام کمال کا دار و مدار انبیاء کرامؑ کی شخصی عظمت اور خدائے تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی اہمیت پر ہے یہی وجہ ہے کہ خدا کی ذات کے بعد انبیاء کرامؑ کی ہستیاں انسانی فہم کے لئے سب سے اہم شے ہیں۔⁹

دنیا میں قانونِ الہی کی حاکمیت رائج کرنے کے لئے ”نبوت“ کا باقائدہ نظام وضع کیا گیا اس عظیم مقصد کے لئے اللہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کا انتخاب کیا۔ اس عظیم ذمہ داری کو تمام انبیاء کرامؑ نے نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ اور بنی نوع انسان کی عظمتِ اجتماعی کے درمیان صحیح ربط پیدا کیا۔ انبیاء کرامؑ خدا کی فرمان سے عزت پاتے ہیں غیبی استعداد کے تحت خدا کے پیغام کو قبول کیا اور انھیں کے حکم سے اپنی اجتماعی مہم کو سچائی اور انصاف کے ساتھ شروع کیا اپنی فطرت کو خدائے تعالیٰ کے قوانین کے مطابق بنالیا اور انسان کامل بن کر انسانیت عامہ کے محسن اور مصلح بن گئے۔ اسلامی نظام معاشرت کی بنیاد عدلِ اجتماعی پر رکھی گئی ہے۔ عدل کے قیام کی صرف وہی صورت صحیح سمجھی جائے گی جس کی اساس اللہ تعالیٰ کے احکام پر رکھی گئی ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات تو قرآن و سنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں لہذا انھیں کے حاکمیت و برتری کا قیام ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾¹⁰

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے پس وہی لوگ کافر ہیں۔“

آپ ﷺ کی حیثیت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ * وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ﴾¹¹

”کہہ دو کہ مجھ سے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کو خالص کر کے اس کی بندگی کروں، اور یہ بھی

ارشاد ہوا ہے کہ میں سب سے اول مسلمان بنوں۔“

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پر بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی لازم ہے اور قانونِ الہیہ کو برتری حاصل ہے اور ان جیسی پاکیزہ و مقدس ہستی کو بھی قانونِ الہی کی اطاعت سے بری قرار نہیں دیا گیا اور ان کے ذمہ تو یہ مقدس فرائض تھاکہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں بلکہ اس پیغام کا اپنی زندگی پر عملی اطلاق بھی کر کے دکھائیں۔ اور آپ ﷺ نے ایسا کر کے دکھایا آپ ﷺ تو مجسم قرآن تھے اور اعلیٰ ترین اخلاقیات سے متصف تھے خود اللہ عز و جل آپ ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾¹²

اور بے شک آپ ﷺ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں۔“

جیسا کہ حضرت محمد ﷺ نبوت کے سلسلہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے اللہ تعالیٰ کے آخری برگزیدہ پیغمبر ہیں اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا وہ شریعت محمدی ﷺ پہ آ کے تمام ہوا لہذا اب تمام انسانیت کی فلاح و نجات کا واحد راستہ صرف اسی شریعت پہ عمل پیرا ہونے میں ہے۔ اور جب اس شریعت کے نتیجہ میں اسلامی نظام معاشرت تشکیل پائے گا تو اس نظام معاشرت کو کامیابی اور احسن طریقے سے چلانے کے لئے ضروری ہے کہ اس معاشرے کی بنیاد قرآن و سنت کی روشنی میں دیئے گئے عدل اجتماعی پہ استوار کی جائے۔

2: حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا نفاذ:

اسلام اپنا ایک مضبوط نظام معاشرت رکھتا ہے جس کے اصول و ضوابط مستقل ہیں، جس کا پورا مزاج عدل و انصاف پر مشتمل ہے اور اس کے تمام اجزاء باہم مربوط ہیں۔ عدل اجتماعی کی صورت میں یہ ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر نظام دیتا ہے کہ جس میں زندگی کے تمام مظاہر اور سرگرمیاں شامل ہیں یہ انسان کے قلب و ضمیر اور اس کے معاملات زندگی دونوں پر محیط ہے اور اپنی ہدایت و قانون سازی میں دین اور دنیا دونوں پر حاوی ہے۔ ان بنیادوں پر اپنے مخصوص اور کامل مزاج کے مطابق عدل و انصاف کا ایک مکمل اور مربوط نظام وضع کرتا ہے جس میں کوئی جھول نہیں پایا جاتا اور وہ انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے مزید یہ کہ یہ نظام قرآن و سنت کے تمام احکامات کے مطابق ہے۔ قرآن کریم میں عدل و انصاف پر زور دیتے ہوئے اس کے متعلق تفصیلی اور واضح احکامات موجود ہیں۔ عدل کا ذکر اس لفظ کے ساتھ ۱۷ آیات میں آیا ہے اور لفظ قسط بمعنی انصاف کے ساتھ ۳۲ آیات مبارکہ میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث رسول ﷺ اور اقوال صحابہؓ و تابعینؓ میں تو عدل اور عادل کی مدح اور ظلم اور ظالم کی مذمت سینکڑوں مرتبہ کی گئی ہے۔ الغرض قرآن کریم ایسا نظام عدل دیتا ہے جو کہ ہر طرح سے مکمل اور بالادست ہے اور عقلی طور پہ بھی بہترین ہے کیونکہ یہ نظام اُس ہستی کا بنایا ہوا ہے جو کہ تمام کائناتوں کی خالق و مالک ہے اور بنی نوع انسان کی بہتری و فلاح سے مکمل طور پر آگاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ آمَنَّا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾¹³

”اور کہہ دو کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں

تمہارے درمیان انصاف کروں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ﴾¹⁴

”اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو!“

نظام عدل کی بالادستی کے متعلق تو اسلام میں بہت زور دیا گیا ہے اس سلسلے میں قرآن کریم میں واضح احکامات موجود ہیں پھر عہد نبوی ﷺ اور اس کے بعد خلافت راشدہ کے ادوار اس ضمن میں نہایت شاندار اور بے نظیر ہیں جو عدلیہ کی بالادستی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک دفعہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی جرم ثابت ہو جانے پہ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا وہ عورت چونکہ اعلیٰ قبیلے سے تعلق رکھتی تھی تو وہاں کے بااثر افراد نے سوچا کہ اس عورت کو سزا ملنے سے ان کی عزت پہ حرف آئے گا تو انھوں نے آپ ﷺ سے سفارش کرنے کے متعلق سوچا اب معاملہ یہ درپیش تھا کہ سفارش کون کرے کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی تو پھر اس کام کے لئے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو چنا گیا وہ تب کم عمر تھے اور آپ ﷺ کو بہت عزیز تھے۔ جب انھوں نے آپ ﷺ سے سفارش کی تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَأَيُّمُ اللَّهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)).¹⁵

”تم سے پہلے والی قومیں اس لئے تباہ ہو گئیں کہ وہ اپنے میں سے کمزور لوگوں کو جرم کرنے پہ سزائیں دیا کرتی تھیں جبکہ اپنے میں سے بااثر افراد کو جرم کرنے پہ چھوڑ دیا کرتی تھیں اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر اس عورت کی جگہ میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔“

ایسے ایک سنہری اصول وضع کر دیا گیا اور عہد نبوی ﷺ ایسی بے نظیر مثالوں سے بھرا پڑا ہے بعد میں آپ ﷺ کے ہاتھوں تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے انھی روایات کو برقرار رکھا اور خلافت راشدہ تو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس ضمن میں ”عدل فاروقی“ تو مشہور و معروف ہے یہ دور تو خاص طور پہ عدل کے قیام کا سب سے درخشاں دور ہے اسی لئے تو اس دور میں معاشرہ ایک پُر امن اور ترقی یافتہ شکل میں تھا۔

گو ہر حملن کہتے ہیں: قیام عدل کے سلسلے میں عدلیہ کا انتظامیہ کی بے جا مداخلت سے آزاد ہونا اور مکمل باختیار ہونا ایک لازمی شرط ہے۔ اسلام کے نظام عدل میں عدالت صدر مملکت سے لے کر عام شہری تک اور فوج کے کمانڈر انچیف سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک ہر ایک کو جواب دہی کے لئے طلب کر سکتی ہے اور قانون کے مطابق سزا بھی دے سکتی ہے عدالت کے کام میں انتظامیہ کا کوئی شخص بڑا ہو یا چھوٹا مداخلت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا یہ قاضی کی بالادستی نہیں ہے

بلکہ اس قانون کی بالادستی ہے جو خود قاضی پر بھی نافذ ہوتا ہے اگر کسی شخص نے خود قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) پر بھی دعوٰی کیا ہو تو دوسرا قاضی اس مقدمے کی سماعت کرے گا اور قانون کے مطابق فیصلہ دے گا۔¹⁶

3: انسانی حقوق کا تعین، تحفظ:

تخلیق کائنات اور انسان کے بارے میں دو بنیادی نظریے اس وقت موجود ہیں ایک تو دینی نظریہ اور دوسرا لادینی نظریہ ہے۔ قرآن کریم کے مطابق دینی نظریہ تخلیق تو وہی ہے جو سورۃ البقرۃ اور دیگر سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس میں اہم نکتہ یہ ہے کہ تخلیق کائنات کے بعد حضرت آدمؑ بطور خلیفۃ اللہ اس کائنات کے پہلے انسان اور پہلے نبیؐ ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان کی تربیت کا انتظام فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً... وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ﴾¹⁷

”اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں، اور اس نے آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔“

یعنی حضرت آدمؑ کو جو تعلیمات دی گئیں ان میں (علم الاسماء) کے علاوہ آپ اور حضرت حواؑ کے جوڑے کے متعلق حقوق کا ذکر بھی یقیناً ہو گا اور حضرت آدمؑ نے اس پر مکافقہ عمل کیا ہو گا کیونکہ انبیاء کرام احکامات باری تعالیٰ سے انحراف نہیں کرتے یہیں سے وہ سلسلہ شروع ہوا جو کہ خاتم النبیین ﷺ پہ جا کے تمام ہوا۔ دوسری طرف وہ لادینی یا ارتقائی نظریہ کائنات ہے جس کی بنیاد ڈارون کے نظریات پر رکھی گئی ہے جس کی رُو سے کائنات اور انسان حادثاتی طور پر پیدا ہو کر ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد موجودہ صورتحال تک پہنچے ہیں۔ اسی تناظر میں انسان کا رشتہ بندر کے ساتھ بھی قائم ہوتا رہا ہے اب یہ بات تو بدیہی ہے کہ اس معاشرے میں انسانی حقوق کا کیا ذکر اور کیا تصور ہو سکتا ہے جہاں انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہو۔

مغربی مؤرخین ڈارون، فرائیڈ، کارل مارکس کے جدید نظریات سے دو تین صدیاں قبل کے زمانے کو ازمنہ تاریک (Dark ages) سے تعبیر کرتے ہیں سائنسی ترقی کے لحاظ سے یقیناً وہ زمانہ تاریک ہو گا۔ استبدادی نظامہائے معاشرہ کی بنا پر ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس“ کی حکومت رہی ہو گی۔ انسان کو اس معاشرے میں جان، مال اور آبرو کی حفاظت اور دیگر حقوق حاصل نہیں تھے لیکن مغرب کے بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ سائنسی ترقی کی چکاچوند نے ظاہری طور پر یورپ کو چمکایا ہے لیکن اس کی باطنی تاریکی ازمنہ تاریک سے بھی زیادہ ہو گئی ہے اور شاید اسی بنا پر اس کو ترقی معکوس سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کیونکہ یورپ میں آج کل حقوق انسانی کے نام پر جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے اس میں بعض حوالوں سے چند خوبیوں کے باوجود بنیادی طور پر تعمیر کی بجائے بگاڑ اور فساد کا پہلو غالب ہے۔ علماء و دانشوران

اسلام کے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب تک اس بات کا تعین نہ کیا جائے کہ انسان اور انسانی حقوق کا مصدر و مرجع کیا ہے؟ اس حوالے سے مغرب نے انسانی حقوق کا جو چارٹر بنایا ہے اس کے لئے بنیاد کیا ہے؟ تب تک بنیادی حقوق کا تعین کیا ہی نہیں جاسکتا۔ یورپ کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آج یورپ میں انسانی حقوق کے حوالے سے جو پروپیگنڈہ، شور شرابہ، پبلسٹی الیکٹا اور NGO's کی صورت میں جاری ہے صرف دواڑھائی سال پہلے ان کا نام و نشان بھی نہیں تھا اگرچہ بعض لوگ مغرب میں انسانی حقوق کی جدوجہد کو قبل مسیح کے یونان میں افلاطون اور ارسطو کے ساتھ ملا کر برطانیہ کے کانریڈ ثانی (Corned II) کے اس منشور کو قرار دیتے ہیں جس کے تحت پارلیمنٹ کے کچھ اختیارات متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے بعد مغرب میں انسان کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں برطانیہ کے King John کے دور میں منظور کردہ قانون مگنا کارٹا (Magna Carta) سامنے آیا لیکن اس معاہدہ میں انسان کے بہت سے حقوق کا ذکر تک نہیں اور اسے ”منشور آزادی“ کی حیثیت سے جو اہم ترین اور تاریخ ساز مقام حاصل ہوا یہ بھی بہت بعد کی بات ہے۔ اس دستاویز کی اس حیثیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ یورپ میں اس کی اتنی شہرت کے باوجود صدیوں تک یورپ میکاولی کے نظریات آمریت کے تحت کراہتا رہا اور میکاولی کی تصنیف (The Prince) سے سیکھ کر مسولینی، ہٹلر اور سٹالن ماضی قریب میں انسانی حقوق کی دھجیاں اڑاتے رہے۔ برطانوی قوم کا منظور کردہ {Bill of rights} مشہور زمانہ فرانسیسی مفکر روسو کا معاہدہ عمرانی {Social Contract}، جارج میسن {George Masson} کے {Manifesto of rights} منشور حقوق کے باوجود یورپ میں خوفناک، ہولناک جنگ عظیم کے دوران حضرت انسان کی قباچاک ہوئی اور انسانی حقوق ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران انسانی حقوق کی بدترین پامالی کے بعد لیگ آف نیشنز سے ہوتے ہوئے ۸۴۹۱ء میں اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کا عالمی منشور بنایا جس میں روس جیسا بڑا یورپی ملک دستخط کرنے والوں میں شامل نہیں تھا۔¹⁸

انسانی حقوق کے اس منشور کی کوئی شق ایسی نہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے نبی رحمت ﷺ کے پیش کردہ منشور میں درج نہیں پھر کمال کی بات یہ ہے کہ یہ منشور صرف بتانے کی حد تک نہیں دیا گیا بلکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدین نے مکمل چالیس سال تک اسی منشور کی اصل روح اور تمام تر تقاضوں کے مطابق اس کے ایک ایک لفظ پر عمل کر کے دنیا کے سامنے اس کی حقانیت اور دوامیت ثابت کر دی جبکہ مغرب کے قائم کردہ اقوام متحدہ کے منشور حقوق پر ایک دن کے لئے بھی کما حقہ عمل نہ پہلے ہو سکا اور نہ ہی مستقبل میں اس کے امکانات نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یورپ میں انسانی حقوق کے تصورات وقت و ضرورت اور مفادات کے تحت تبدیل ہوتے رہتے ہیں

اس لئے مغرب کے تصورات حقوق کے تحت اگر کسی دور میں ایک حق کو انسان کے لئے لازمی قرار دیا گیا تو یہ بھی عین ممکن ہے کہ کسی وقت اس حق کو ضروری نہ سمجھ کر معطل کر دیا جائے۔

پروفیسر خورشید احمد کہتے ہیں: ایک خطے میں اگر ایک چیز بنیادی انسانی حقوق میں شمار ہو گئی تو ضروری نہیں کہ وہ دنیا کے کسی دوسرے حصے میں بھی اسی طرح تقدس حاصل کر لے۔ اسی بنیاد پر یورپ میں آج سے ڈیڑھ صدی قبل جرمنی اور اٹلی میں نازی ازم اور فاشزم کے فلسفوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے جو فلسفے تراشے گئے وہ ایک عرصے تک عقلی اور منطقی بیانیوں پر مسترد نہیں کئے جاسکے اور ان نظریات کی ترویج و اشاعت اس زمانے کا فیشن بن گیا تھا اور بہت سے لوگ Super Power بننے کے لئے {Might is right} یعنی ”طاقت حق ہے“ کے گرویدہ تھے۔¹⁹

جس طرح ماضی کی انسانی تاریخ میں لادینی نظریہ کے تحت انسانی حقوق کا تصور اور حقوق تبدیل ہوتے رہے ہیں تو آج بھی جب تک کسی مستند، جامع، مکمل، مدلل اور منطقی منبع سے انسانی حقوق کی تفصیلات حاصل نہ کی جائیں اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ مستقبل میں یہ تصورات تبدیل نہ ہوں گے۔ لہذا اگر بنی نوع انسان واقعی انسانی حقوق کے حوالے سے سنجیدہ ہے تو اس کے تعین کے لئے صحیح ترین بنیادوں اور منبع کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ زمانہ، جغرافیہ، نسل، رنگ، زبان یا کوئی اور اختلاف و تفریق انسان کے بنیادی حقوق کی غلط، متغیر اور متعصبانہ تشریح نہ کر سکے چونکہ یورپ میں انسانی حقوق کے لئے کوئی ایسا محور و مرکز موجود نہیں ہے اس لئے ان کے ہاں انسان کے بنیادی حقوق کا مقدمہ اور حصول نسل، علاقہ اور مذہب وغیرہ کے اختلاف کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

سید صلاح الدین لکھتے ہیں: یورپ نے بہت تگ و دو کے بعد اقوام متحدہ کے ذریعے انسانی حقوق کا عالمی منشور پیش کیا لیکن کیا واقعی اقوام متحدہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے کیا وہ انسانی حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے عالمی مساوات کے ذریعے انسانیت کے احترام کی حفاظت کا کوئی میکنزم دنیا کو دے سکا ہے؟ اس منشور کی تیس دفعات میں سے ایک یہ ہے کہ ”تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں۔“ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم ماضی بعید کی بات نہیں کرتے بلکہ آج کی دنیا میں کیا کشمیر، فلسطین، چیچنیا کے لوگ اپنے علاقوں میں ظالم و غالب طاقتوں کے ہاتھوں محکوموں کا سا طرز زندگی گزارنے پر مجبور نہیں ہیں اور کیا کل تک جنوبی افریقہ کی اکثریت سفید فام برطانویوں کے غلام نہیں تھے۔²⁰

سید مودودی اس ضمن میں کہتے ہیں: اصول خلافت پر قائم ریاست اپنے ماخذ و منبع کے لحاظ سے ربانی ریاست ہوتی ہے یہ ریاست اپنے تمام فرمانبردار باشندوں کے حقوق و فرائض کی رکھوالی کرتی ہے جو اس کی ولاء کی شرائط پوری کرتے ہیں۔ اس کے اقتدار کے تابع ہوتے ہیں اور حکم شریعت کے موجب اس کے وجود کو قائم و دائم رکھنے کے لئے کوشاں

رہتے ہیں چونکہ وہ باشندوں کے حقوق و فرائض کی نگران و ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس کھلا اختیار ہو اور اسے مکمل گرفت حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کسی اور کے آگے نہ جھکے۔ اسلامی ریاست میں ریاست اور شہریوں کے باہمی تعلقات جو کہ دراصل حقوق و فرائض کا ہی فریم ورک ہے اس آزادی کے ذریعے طے ہوتے ہیں جو ذمہ داری کو جنم دیتی ہے لہذا حکمران کی کی صفت یہ ہوگی کہ وہ اپنی گرفت و نفوذ کو مستحکم کرنے کے لئے پوری قدرت کا مالک ہے اور محکوم کی یہ صفت ہوگی کہ اسے مکمل حریت حاصل ہے جو ذمہ داری کی شرعی بنیاد فراہم کرتی ہے۔²¹

جیسا کہ ہم نے پہلے یورپ اور دیگر دنیا کے تصور حقوق پر بات کی کہ ان کے ہاں یہ تصور کس قدر ناخالص اور دھڑے معیار پر مبنی ہے وہاں کے لبرل سسٹم میں فرد کے حقوق اس کے اجتماعی فرائض پر غالب آجاتے ہیں یہاں تک کہ افراد معاشرہ اور قوموں کا استحصال کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ کمیونسٹ نظام میں فرد کو فرائض کے مقابلے میں بہت کم حقوق حاصل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان کی آزادی کے انق بہت تنگ ہو کر رہ جاتے ہیں اور جب ان کی آزادی نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے تو ان کا ارادہ بھی مصلوب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بہت سے فرائض اس بنا پر ضائع ہو جاتے ہیں اور ان پر مرتب ہونے والے حقوق ہی ضائع ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان سب کے مقابلے میں اسلامی ریاست عدل الہی کی میزان میں تمام حقوق و فرائض کی اہمیت اور حدود وضع کر دیتی ہے جس کی وجہ سے کوئی ایسا فرض یا کوئی ایسا حق باقی نہیں رہتا جو ضائع ہو جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ﴾²²

”اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو۔“

اس آیت کریمہ میں جس قسط (عدل و انصاف) کا ذکر کیا گیا اس سے مراد وہ مقسوم (فرائض سے متعلق ہو یا حقوق سے) ہے جو میزان عدل میں تول کر اس پر عائد کیا جاتا ہے اور میزان عدل حق ہو یا فرض ہر ایک کو اس کی شرعی بنیاد عطا کرتی ہے ظلم ہر طرح سے ناپسندیدہ ہے چاہے وہ افراد کے مابین ہو یا افراد اور معاشرے کے مابین ہو۔

4: انفرادی حقوق کا تحفظ:

بنیادی انسانی حقوق کے متعلق اسلام نے ہی دنیا کو ایک مکمل، جامع اور واضح تصور دیا اور عدل اجتماعی کا جو نظام دیا اس کے تناظر میں ان حقوق کی حفاظت کے سلسلے میں باقاعدہ تعلیمات و کلیات متعین کئے۔ اب انسان کے چند بنیادی حقوق کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

i: جان، آبرو اور ملکیت کی حفاظت:

ڈاکٹر خالد علوی کہتے ہیں: انسان کے بنیادی حقوق میں سے اولین حق ”جان کی حفاظت“ کا حق ہے اس حوالے سے انسانی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے انسانیت کا یہ حال تھا کہ سو سو سال تک ایک ہی علاقے اور نسل کے لوگوں کے درمیان جنگیں جاری رہیں جو کہ خوفناک قتل و غارت گری پر مشتمل ہوتی تھیں ان حالات میں آپ ﷺ پر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کے تحفظ کے ضمن میں جو تعلیمات نازل فرمائیں وہ اتنی جامع ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے پوری انسانیت کی حفاظت ممکن بنائی جاسکتی ہے۔²³

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾²⁴

”اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔“

اللہ تعالیٰ نے بحیثیت انسان کو جس تکریم سے نوازا ہے اور اس کی جو قدر و قیمت مقرر فرمائی ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کی جان، آبرو اور ملکیت کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے اور ہر شہری (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) کی جان کی حفاظت ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾²⁵

”جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔“

اور قتل ناحق کے علاوہ بھی انسانی جان کو ختم کرنے کے ہر طرح کے طریقے کی ممانعت فرمائی جیسا کہ ضبط ولادت کے بارے میں منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِبِلَاقٍ﴾²⁶

”اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔“

حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے خطبہ جمعہ الوداع میں واضح الفاظ میں فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمٍ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ))²⁷

”بلاشبہ تمہاری جان، مال اور آبرو ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہیں جس طرح آج کا یہ دن ہے تمہارے اس مینے میں اور تمہارے اس وطن میں حتیٰ کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔“

انسان کا بنیادی حق ہے کہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ

الِإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾²⁸

”مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتیں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔“

سید مودودی نے اس سورۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: یعنی جتنی بھی شکلیں انسان کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی ہو سکتی ہیں ان سے منع کر دیا گیا۔ وضاحت سے کہہ دیا کہ انسان کی غیر موجودگی میں بھی نہ تو اس کا مذاق اڑایا جاسکتا ہے، نہ برے القاب دیئے جاسکتے ہیں اور نہ اس کی برائی کی جاسکتی ہے۔ ہر شخص کا یہ قانونی حق ہے کہ کوئی اس کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالے اور ہاتھ سے یا زبان سے اس پر کسی قسم کی کوئی زیادتی نہ کرے۔²⁹

ایک اور بنیادی حق یہ ہے کہ قرآن کریم واضح طور پر انفرادی ملکیت کا تصور دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾³⁰

”اور تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔“

اگر قرآن و حدیث اور فقہ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے مال کو کھانے کے کون کون سے طریقے باطل ہیں۔ اسلام نے ان طریقوں کو مبہم نہیں رکھا ہے اس اصول کی رُو سے کسی آدمی سے ناجائز طریقے سے کوئی مال حاصل نہیں کیا جاسکتا کسی شخص کو یا کسی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قانون توڑ کر اور ان متعین شکلوں کے علاوہ جو خود اسلام نے واضح کر دی ہیں، کسی کی ملکیت پر دست درازی کرے۔

ii آزادی فکر اور ظلم پر اعتراض کا حق:

عدل اجتماعی اسلامی نظام معاشرت میں ہر شخص کو یہ آزادی عطا کی کہ وہ کفر و ایمان میں سے جو راہ چاہے اختیار کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾³¹

”دین میں کوئی جبر نہیں“۔

ضمیر و اعتقاد کی آزادی ہی کا قیمتی حق تھا جسے حاصل کرنے کے لئے مکہ کے دور ابتلاء میں مسلمانوں نے ماریں کھا کھا کر کلمہ حق کہا اور بالآخر یہ حق ثابت ہو کے رہا۔ مسلمانوں نے یہ حق جس طرح اپنے لئے حاصل کیا تھا اسی طرح دوسروں کے لئے بھی اس کا پورا پورا اعتراف کیا۔ اسلامی تاریخ اس بات سے خالی ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنی غیر مسلم رعایا کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو، یا کسی قوم کو مار مار کر کلمہ پڑھوایا ہو۔ ایک اور اہم بنیادی حق جسے آج کے زمانہ آزادی اظہار کہا جاتا ہے قرآن اسے دوسری زبان میں بیان کرتا ہے بلکہ اس تصور کے مقابلے میں بہت بلند تصور دیتا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾³²

”جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو“۔

یعنی ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ نہ صرف انسان کا حق ہے بلکہ یہ اس کا فرض ہے۔ قرآن اور احادیث کی رو سے انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ بھلائی کے لئے لوگوں سے کہے اور برائی سے روکے۔ اگر کوئی برائی ہو رہی ہو تو صرف اس کے خلاف آواز اٹھانے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کے انسداد کی کوشش کرنا بھی فرض ہے اور اگر اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی جاتی اور اس کے انسداد کی فکر نہیں کی جاتی تو گناہ ہو گا۔ اسلامی نظام معاشرت کی پاکیزگی کا خیال رکھنا مسلمان پر فرض ہے قرآن نے بنی اسرائیل کے تنزل کے اسباب بیان کرتے ہوئے ایک سبب یہ بیان کیا:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا

تَذْمِيرًا﴾³³

”اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہو تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اُس پر عذاب کا حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا“۔

یعنی کسی قوم میں اگر یہ حالات پیدا ہو جائیں کہ برائی کے خلاف کوئی آواز اٹھانے والا نہ ہو تو آخر کار رفتہ رفتہ برائی پوری قوم میں پھیل جاتی ہے اور وہ خراب پھلوں کے ایسے ٹوکڑے کی مانند ہو جاتی ہے جس کو اٹھا کر باہر پھینکنا ناگزیر ہو جاتا ہے لہذا ایسی قوم

کے عذابِ الہی کے مستحق ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ انسان کے بنیادی حقوق میں یہ حق بھی شامل ہے کہ آدمی ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کا پورا حق رکھتا ہے ارشادِ باری ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾³⁴

”اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو اعلانیہ بُرا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو اور اللہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے۔“

یعنی مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کے خلاف آواز اٹھائے۔

5: معاشی تحفظ:

اسلامی نظامِ معاشرت میں عدلِ اجتماعی کا تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ معاشرے میں معیشت کا ایک جامع اور مربوط نظام متعارف نہ کرایا جائے جس میں سب کو معاشی میدان میں برابری کے مواقع میسر ہوں اور محرومین کو معاشی تحفظ حاصل نہ ہو اور انہیں معاشی میدان میں آگے بڑھنے کا موقع نہ ملے۔ اسلام میں سب کو حصولِ رزق کے مساوی مواقع ملتے ہیں اور یہ لوگوں کے بنیادی حقوق میں شامل ہے آج پوری دنیا معاشی لوٹ کھسوٹ، سود، ذخیرہ اندوزی، منافع خوری اور اسراف و تبذیر کے شکنجوں میں جکڑی نظر آتی ہے۔ اسلام کا تصور عدلِ اجتماعی معاشی ظلم کی ہر شکل کو مٹانا چاہتا ہے اور معاشی لحاظ سے ایک عادلانہ معاشرے کا تمنا کی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾³⁵

”وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔“

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ

النُّشُورُ﴾³⁶

”وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم کیا تو اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اللہ کا (دیا ہوا)

رزق کھاؤ اور (تم کو) اسی کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے۔“

اسلام معاشرے میں معاشی عدل کا حکم دیتا ہے اور نادار افراد جو کہ خود سے زندگی گزارنے کے لئے وسائل نہیں رکھتے تو مالدار افراد کو ایسے افراد کی مالی کفالت کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں اسلام نے زکوٰۃ، عشر، خمس، اور دوسری مددات مثلاً صدقاتِ نافلہ، ہدایا اور میراث وغیرہ مقرر کئے تاکہ معاشرے کی اندر معاشی ناہمواری اور اس سے پیدا ہونے والے جرائم کی روک تھام کو یقینی بنایا جاسکے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾³⁷

”اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔“

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ * لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾³⁸

”اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے سوال کرنے والے اور محروم کے لئے۔“
اسلام نے معاشی تفاوت سے بچنے کے لئے دولت کو ایک ہاتھ میں جمع نہیں ہونے دیا اسی لئے زکوٰۃ مقرر کرنے میں یہ حکمت بیان فرمائی:

﴿كَفَى لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾³⁹

”بتاکہ وہ (دولت) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔“
عدل اجتماعی کا تقاضا ہے کہ ریاست ان افراد کی کفالت کرے جن کا کوئی کفیل نہیں یہ ایک اجتماعی حق ہے جسے یوں بیان کیا گیا ہے کہ جس کا کوئی وارث نہیں ریاست اس کی وارث ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:
أبو هريرة عن رسول الله ﷺ: ((أنا أولى الناس بالمؤمنين في كتاب الله عز وجل، فأيكم ما ترك ديناً أو ضيعة فادعوني، فأنا وليه، وأيكم ما ترك مالا فليؤثر بماله عصبته، من كان)).⁴⁰

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کتاب اللہ کے مطابق دوسرے لوگوں کی بہ نسبت مسلمانوں کا زیادہ ولی میں ہوں، سو جو تم میں سے قرض یا مال بچے چھوڑ کر فوت ہوا تو مجھے بلاؤ، ان کا کفیل میں ہوں اور جو آدمی مال چھوڑ کر فوت ہوا تو اس کے جو بھی ورثاء ہیں وہ اس کا مال لے لیں۔“

اور علماء نے کہا ہے کہ حکومت جس طرح اس شخص کی وارث ہوتی ہے جس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اسی طرح وہ اس کا قرض ادا کرنے کا بھی ذمہ دار ہے جب کہ وہ قرض کی ادائیگی کے لئے کوئی شے چھوڑے بغیر مر جائے نیز ایسی صورت میں جب اس کی زندگی میں کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو۔

6: حق تعلیم:

ڈاکٹر خالد علوی کہتے ہیں: انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے لئے جن اداروں کو منظم کیا اور ان کے ذریعہ اجتماعی زندگی کے تسلسل کو قائم رکھا ان سب میں تعلیم کا ادارہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ تعلیم دراصل ایک نسل کے تجربات کو دوسری نسل میں منتقل کرنے کا نام ہے معلومات بہم پہنچانے کے سادہ سے عمل نے ایک انتہائی پیچیدہ اور وسیع نظام کو بنیاد فراہم کی ہے۔ جہاں تک اسلامی نظریہ تعلیم کی بات ہے تو وہ انتہائی جامع ہے کہ اس میں انسان کی انفرادی خودی کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق معاشرتی اجتماعیت کو نشوونما دے۔ عدل اجتماعی کے مطابق نظریہ تعلیم کے دو پہلو ہیں:

۱۔ ایک پہلو کے اعتبار سے وہ مختص فرد کی اصلاح ہے۔

۲۔ دوسرے پہلو کے لحاظ سے وہ ایسی اصلاح ہے جس کا نتیجہ معاشرتی بہبود ہے۔

اسلامی نظریہ تعلیم کا مقصد محبت الہی کے نصب العین کو آگے بڑھانا ہے اسلام ایک دین ہے اور عدل اجتماعی کا تصور دیتا ہے جو کہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر اپنی گرفت رکھتا ہے وہ فرد کی انفرادی زندگی اور اس کی حیات اجتماعیہ دونوں کی اصلاح کا دعویٰ ہے اور وہ با مقصد زندگی کا داعی ہے لہذا وہ کسی ایسے نظام تعلیم کو برداشت نہیں کر سکتا جو اس مقصد کے لئے مفید ثابت نہ ہو۔⁴¹

قرآن نے انفرادی اور اجتماعی مقصد واضح کیا جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾⁴²

”اور میں نے جن وانس کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَهُمْ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾⁴³

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔“

اس اعتبار سے تعلیم کا مقصد فرد کی ایسی تعمیر سیرت ہے جس سے وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر کائنات کے لئے رحمت ثابت ہو سکے حضور نبی کریم ﷺ نے ایسی تعلیم اور ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس کا اثر انسان کی عملی زندگی پر نہ ہو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع))⁴⁴

اے اللہ تعالیٰ میں ایسے علم سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جو کہ نفع نہ دے۔

عدل اجتماعی تعلیم کو ایک نصب العین قرار دیتے ہوئے انسان کے لئے اسے فرض قرار دیتا ہے اسلامی نظام تعلیم میں اول و آخر تک مقصدیت پوری طرح کارفرما ہوتی ہے یہ ایسے افراد چاہتا ہے جو انفرادی طور پر اس عظیم مقصد کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوں اور اجتماعی طور پر اسلامی ریاست کے اچھے شہری ثابت ہو سکیں کیونکہ وہ نظام تعلیم جس سے مقاصد ریاست پورے نہ ہوں اجتماعی نظم کے لئے مہلک ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال نے مغربی نظام تعلیم کی اس خرابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

۷ ”اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم

ایک سازش ہے فقط دین مروّت کے خلاف“

قرآن و سنت میں علم کی فضیلت و اہمیت کا ذکر بکثرت موجود ہے حضرت آدمؑ کو فرشتوں پر فوقیت دینا ان کو عطا کئے گئے علم کی بنا پر ہی تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾⁴⁵

”اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔“

اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾⁴⁶

”انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔“

حضور نبی کریم ﷺ کے مناصب نبوت میں سے تعلیم دینے کے منصب کو خصوصی حیثیت سے بیان کیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾⁴⁷

”وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔“

پھر اہل علم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾⁴⁸

”آپ ﷺ کہہ دیجیئے کہ کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہو سکتے ہیں۔“

حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور اسے تمام لوگوں کا بنیادی حق قرار دیا اس کے ساتھ علم والوں کو سراہتے ہوئے فرمایا:

((قال رسول الله ﷺ خيركم من تعلم القرآن وعلمه))⁴⁹

”حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔“

تعلیم کے سلسلے میں طلبہ کے ساتھ اساتذہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان کے بھی حقوق متعین کر دئے گئے جو کہ متعلم کے فرائض ہیں اور متعلم کو ان کے حقوق اساتذہ کے فرائض کی روشنی میں ملتے ہیں یہی تو عدل اجتماعی کا بنیادی فلسفہ ہے جس میں سب کے حقوق و فرائض ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: إن الناس لكم تبعاً وإن رجلاً

يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيراً))⁵⁰

”ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ تمہارے تابع ہیں اور بلاشبہ بہت

سے لوگ تمہارے پاس اطراف زمین سے علم دین سمجھنے آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو

تم ان کو بھلائی کی وصیت کرنا۔“

امام غزالی نے معلم کے یہ فرائض بیان کئے: ۱۔ طلبہ کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور ان کے ساتھ اپنی اولاد جیسا سلوک کرے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کی مثال سامنے رکھ کر ترویج علم کی کوشش کرے اور کسی معاوضے کی توقع ہر گز نہ کرے۔

۳۔ حتی الوسع اپنے شاگردوں کو بھی یہی نصیحت کرے کہ وہ اس وقت تک سند فضیلت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں جب تک کہ اس کے اہل نہ ہو جائیں۔

۴۔ اپنی توجہ طلبہ کی علمی فضیلت پر ہی مرکوز نہ کرے بلکہ ان کے کردار پر بھی پوری توجہ دے اور ان کی کسی بے جا حرکت کی صورت میں ان کو نرمی سے سرزنش کرے۔

۵۔ اپنے شاگردوں کے سامنے دوسرے اساتذہ کے مضامین کی برائی نہ کرے بلکہ اس بات پہ اصرار کرے کہ وہ حتی الوسع زیادہ شعبہ ہائے علوم کی تحصیل پر توجہ دیں۔

یعنی استاد پر نہایت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے انہیں معاشرے کے بہترین لوگ قرار دے کر ان کی عزت و تکریم یقینی بنانے کے بعد ان پر یہ فرائض عائد کئے جو کہ بلا واسطہ متعلم کے حقوق ہیں اسی طرح متعلم کے لئے کچھ فرائض ہیں جو کہ استاد کے حقوق ہیں مثلاً ہر حال میں استاد کی عزت کرے، اپنی پاکیزگی نفس کو برقرار رکھے، دنیاوی اور مادی اغراض کو زیادہ مد نظر نہ رکھے، اپنے علم پر زیادہ متکبر اور مغرور نہ ہو، تحصیل علم میں اپنی دلچسپی قائم رکھے اور اختلافی مسائل میں زیادہ نہ الجھے بلکہ ہر دم سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کے ساتھ تمام علوم کی تحصیل کا مقصد صرف اللہ

تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو سمجھے۔ اسلام میں تعلیم کا حصول بلا تفریق تمام مرد و عورت پر فرض ہے اسی لئے والدین کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم کا مناسب بندوبست کریں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((عن ابن عباس قال: كان الناس من الأسرى يوم بدر لم يكن لهم فداء فجعل

رسول الله ﷺ فدائهم أن يعلموا أولاد الأنصار الكتابة))⁵¹

”ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کے پاس زرفدیہ نہ تھی تو

رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یوں قرار دیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھادیں۔“

عدل اجتماعی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کے ذریعے ایسے افراد تیار کئے جائیں جو کہ بہت اچھے اور باعمل مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست کے لئے بھی مفید اور اچھے شہری بن سکیں۔

7: فرد اور جماعت میں مکمل وحدت:

انسان قدرتی طور پر دو خصوصیات کا حامل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادیت کا بھی احساس رکھتا ہے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق رکھنے اور ان کے ساتھ مل جل کر رہنے کی خواہش بھی رکھتا ہے اور یہ انسان کی ایک ایسی خصوصیت اور انسانی وجود کا ایک ایسا مظہر ہے جو انسانی زندگی پر بہت گہرائی کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے کہ درحقیقت معاشرے کا وجود انسان کی اسی دوگانہ خصوصیت میں ہم آہنگی کی بنیاد پر قائم ہے اور انسان کے متعدد خود ساختہ نظام اور فلسفہ ہائے معاشرت اسی خصوصیت کے ہر دو پہلوؤں میں عدم موافقت کی بنا پر ناکام ہوئے ہیں کہ کہیں تو انسان کے انفرادیت کے پہلو کو اس قدر اہمیت دے دی گئی کہ اس کے نتیجے میں قابل نفرت ”انانیت“ ابھر آئی سماجی روابط ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے اور معاشرتی توانائی اور انسانی ربط باہم کی قوت مفلوج ہو کر رہ گئی اور کہیں انسان کے اجتماعی پہلو کو اس قدر ترجیح دی گئی کہ اجتماعیت کی بڑھی ہوئی قوت نے انفرادیت کو کچل ڈالا اور معاشرہ کے سامنے فرد ایک بے حیثیت ذرہ ہو کر رہ گیا۔

سید قطب رقمطراز ہیں: اسلام کے تصور عدل اجتماعی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ اسلام عبادت اور کاروبار، عقیدہ اور عمل، روحانیت اور مادیت، معاشی قدروں اور معنوی قدروں، دنیا اور آخرت اور زمین و آسمان سب کے درمیان وحدت کا قائل ہے۔ اسی عظیم وحدت سے اسلام کے فرائض، قوانین، ہدایات، حدود اور سیاسی و معاشی امور میں اس کی راہیں ابھرتی ہیں اس کی روشنی میں وہ حقوق و فرائض متعین کرتا ہے اور نفع نقصان کی تقسیم عمل میں لاتا ہے۔ اسلام کی نظر میں زندگی تعاون، ہم آہنگی اور ہمدردی و مواساتہ کا نام ہے

مسلمانوں کے درمیان خصوصاً اور عام انسانوں میں عملاً ہے۔ اسلام عدل اجتماعی کے قیام میں انہی دو بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتا ہے متوازن باہم مربوط اور مکمل وحدت اور افراد اور جماعتوں کے درمیان تعاون اور دست گیری کی اسپرٹ ہے اس عدل کے قیام میں اسلام انسانی فطرت کے بنیادی عناصر کا لحاظ رکھتا ہے اور انسان کی صلاحیتوں کو بھی پوری طرح سامنے رکھتا ہے۔⁵²

ارشادِ بانی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾⁵³

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُری باتوں سے منع کرتے۔“

مال و دولت کی محبت خود اس کی خاطر اور ان چیزوں کی خاطر جن کا حصول ان سے وابستہ ہے انسان کو فطری اور طبعی طور پر بخیل قرار دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾⁵⁴

”وہ خیر (مال) کی طلب میں بہت حریص واقع ہوا ہے۔“

﴿قُلْ لَوْ أَنُّكُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ الْإِنْفَاقَ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا﴾⁵⁵

”کہہ دو کہ اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (ان کو) بند کر رکھتے۔ اور انسان دل کا بہت تنگ ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے ایک طرف اس کی یہ وسعت بے پایاں اور دوسری طرف انسان کا یہ نُخل ہے اسی بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر انسان کو نافرینیت یافتہ چھوڑ دیا جائے تو اس کا یہ نُخل کس حد تک پہنچ سکتا ہے۔ اسلام نظام زندگی کی ترتیب یا قانون سازی اور ہدایات و تلقین میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس فطری حب ذات اور خود غرضی کو نظر انداز نہیں کرتا جس کی جڑیں فطرتِ انسانی میں اتنی گہری ہیں کہ وہ وعظ و نصیحت اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ خود غرضی اور نُخل کا علاج کرتا ہے وہ فرد پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور اس کے ساتھ ہی جماعت کی ضروریات و مصالح کا بھی پورا لحاظ رکھتا ہے اس کے پیش نظر فرد و جماعت دونوں کی زندگی کے وہ بلند مقاصد ہیں جو کہ ہر نسل اور ہر زمانہ کے لئے یکساں ہیں۔

جس طرح فرد کی حرص و ہوس کا مفاد جماعت کو پامال کرنا مناسب ہی نہیں بلکہ کھلی نا انصافی اور صریح ظلم ہے اسی طرح یہ بھی ظلم ہے کہ جماعت فرد کی قوتِ برداشت کا لحاظ نہ کرے اور اس پر بے جا بوجھ ڈالے ایسا کرنا صرف ایک فرد پر ظلم نہیں بلکہ پوری جماعت پر ظلم ہے کیونکہ فرد کے رجحانات کو کچلنے اور اس کے میلانات کو دبائے کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ خود جماعت کے لئے اس فرد کی صلاحیتوں اور خدمات سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے مواقع بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ انفرادی رجحانات کو اس حد تک پوری آزادی ملنی چاہیئے جس حد تک کہ وہ زندگی کے بلند تر مقاصد سے نہ ٹکراتے ہوں اور جماعت کے مفاد کو مجروح نہ کرتے ہوں۔ اسلام کے نزدیک زندگی تعاون و توافق کا نام ہے نہ کہ کشمکش اور جنگ و جدل کا نام ہے انسانی حیات کا راز انفرادی اور اجتماعی قوتوں کی آزادی اور نشوونما میں مضمر ہے نہ کہ ان پر پابندیوں اور جکڑ بندیوں میں ہے۔

غرض ”وحدت“ اسلامی نظام معاشرت کا ایک مسلم اور بہت اہم اصول ہے۔ اسلام امت کے لئے بیک وقت ایک سے زائد اجتماعی نظاموں کے وجود کو پوری شدت کے ساتھ رد کرتا ہے۔ شریعت نے اس اصول کو بہت اہمیت دے رکھی ہے اس کے نزدیک وہ شخص قابلِ گردن زنی ہے جس کے ہاتھوں پر ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے خلافت کی متوازی بیعت کر لی گئی ہو آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اسمعوا وأطيعوا، وإن استعمل عليكم عبد حبشي كأن رأسه زبيبة)).⁵⁶

سنو اور اطاعت کرو اور اگرچہ تم پر ایک ناک کٹا حبشی غلام ہی امیر کیوں نہ بنا دیا جائے۔ اگر خلافت کی بیعت دو آدمیوں کے ہاتھوں پر کر لی جائے تو بعد والے شخص کو قتل کر دو (اگر اس کی نام نہاد خلافت کا فتنہ کسی طرح ختم نہ ہو سکے)۔ معاشرے میں عدل و انصاف اور توازن، ہم آہنگی پیدا کرنا اسلام کے لئے نسبتاً زیادہ آسان ہے کیونکہ انسانی زندگی کے بارے میں اس کا نقطہ نظر جامع بھی ہے اور وسیع بھی ہے۔ یعنی اسلام عدل اجتماعی کے تناظر میں ایک ایسے معاشرے کی تنظیم کرتا ہے کہ جو عدل اجتماعی کے اصولوں کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور اس نظام معاشرت میں فرد اور جماعت میں مکمل وحدت و یگانگت پائی جاتی ہے دونوں میں حقوق و فرائض کی باقاعدہ تقسیم ہوتی ہے اور کوئی بھی کسی کا حق غصب نہیں کرتا ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے مکمل وحدت وجود میں آتی ہے۔

8: باہمی تعاون و ہم آہنگی کی مستحکم فضا:

اسلام بلاشبہ دینِ توحید ہے کیونکہ وہ کائنات کی ساری قوتوں کے درمیان وحدت و یکجہتی کا قائل ہے۔ اس کے یہاں رب ایک ہے اسلام کی شکل میں سب مذاہب کو ایک قرار دیا گیا اور آغاز حیات سے اسی دینِ واحد کے پیغام بر ہونے کی

حیثیت سے سارے انبیاء بھی ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہ سارا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ہی منظم کیا اور انسان کو اس کی زندگی گزارنے کے آداب و اصول سکھانے کا انتظام فرمایا ان اصول و قوانین میں انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق اسے انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے قابل بنایا گیا۔

انسان ہمیشہ سے ہی مدنی الطبع ہے اور اپنی فطرت میں جماعتی زندگی کا محتاج ہے بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی ناممکن ہے جیسا کہ فرد زندگی کے ہر شعبے میں جماعت کا محتاج ہے۔ اسی لئے اسلام کے تصور عدل اجتماعی میں فرد اور جماعت کے لئے باہم مربوط، منظم اصول وضع کئے گئے جن سے ایسا نظام معاشرت وجود میں آتا ہے کہ جس میں فرد اور جماعت میں باہمی تعاون، ہم آہنگی کی فضا پروان چڑھتی ہے اور عدل اجتماعی کے اصول اس فضا کو مستحکم کر کے اس کے نشو و ارتقاء کا باعث بنتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی نظام معاشرت کے اصول و ضوابط بہت پائیدار اور عدل و انصاف سے متصف اور اتنے جامع ہیں کہ انسانی حیات کے تمام مظاہر ان میں شامل ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے وہ انسان کو محض نظام اجتماعی کا ایک بے جان اور معطل پرزہ یا ماحول کا محض ایک پر تو نہیں سمجھتا بلکہ اسے معاشرے کا انتہائی اہم جزو اور اصل قرار دیتا ہے وہ ایک طرف تو اس میں یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور ہر عمل کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے اور ان کے سامنے ہر فرد کی ذمہ داری انفرادی باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا﴾⁵⁷

”اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری جانوں پر ہوگا۔“

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: ألا كلکم راع وكلکم مسؤول عن

رعیته)).⁵⁸

”عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سب نگران ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہو۔“

اس انفرادی ذمہ داری کے احساس کو اجاگر کر کے انسان کو معاشرے میں رہنے کے قابل بنایا گیا اب اسے مختلف حقوق و فرائض و دیعت کئے گئے پھر اس سلسلے میں نکاح کی بنیاد پر ایک منظم و مربوط خاندانی نظام مرتب کیا گیا پھر قرابتداری اور ہمسائیگی کے حقوق و فرائض وضع کئے گئے۔ اسلام کا تصور عدل اجتماعی کچھ بنیادی اصول، ضوابط کے بعد اسلامی

نظام معاشرت کی عام فضا خیر خواہی، تعاون، امداد، اشتراک عمل، مواساة، ایثار اور بھائی چارہ کی بنیاد پہ قائم کرتا ہے۔ لوگ جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں ہر شخص اپنے بھائی کے لئے وہی چاہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے ظلم، غیبت، چغل خوری، کینہ پروری، دھوکہ دہی، برے القاب سے پکارنا، حسد، بغض، تجسس، الزام تراشی، بے حرمتی، بے عزتی کرنے اور بے جا حرف گیری وغیرہ سب سے پرہیز کرنے کا حکم دیا اور ان سب باتوں کے برعکس ایک نہایت مکمل اور خوبصورت فلسفہ اخلاقیات دیا اور تلقین کی کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں بلکہ سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور برائیوں سے ایک دوسرے کو روکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْغَدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾⁵⁹

مومنو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا بلکہ نیوکاری اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا اور اللہ سے جس کے سامنے جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہنا۔

پھر عیب جوئی کی ممانعت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ

يَتُوبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾⁶⁰

”اور ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔“

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے :

((عن أنس عن النبي ﷺ، قال: لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه أو قال لجاره ما

يحب لنفسه))⁶¹

انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لئے یا اپنے پڑوسی کے لئے بھی وہ بھلائی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

گویا اسلام معاشرے کی عام فضا کو حسنات سے بھر دینا چاہتا ہے اور اس کی نظر میں زندگی تعاون، ہمدردی اور مواساة کا نام ہے۔ انفرادی ذمہ داریوں کے بعد معاشرے میں باہمی تعاون، ہم آہنگی کی فضا کو مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرضہ مسلمانوں کو سونپا کہ یہ انفرادی و اجتماعی طور پر لازمی فرضہ ہے اسی طرح اسلام ان میں اجتماعی ذمہ داری کا تصور بھی پیدا کرتا ہے اور پورے معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ نیکیوں کو قائم کرنے والا، برائیوں کو روکنے والا اور ایک دوسرے کی مدد کرنے والا ہو۔ ایسی انفرادیت جس میں دوسروں کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے اور جو اجتماعی ذمہ داری کے تصور سے نا آشنا ہو وہ اسلام کو مطلوب نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

قال النبی ﷺ: ((من رأى من أميره شيئا يكرهه فليصبر، فانه ليس أحد يفارق

الجماعة شبرا فيموت إلا مات ميتة جاهلية)).⁶²

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس پر صبر کرے، پس جو شخص ’الجماعۃ‘ سے باشت بھر بھی الگ ہو رہا، کوئی شک نہیں کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

ان عمومی ہدایات کے بعد اسلام نے انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا ایک مکمل نظام بھی دیا جس میں بھائی بھائی کے حقوق، اہل خانہ کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، اہل محلہ کے حقوق نیز غیر مسلمانوں اور عام انسانوں کے حقوق حتیٰ کہ جانوروں اور درختوں تک کے حقوق کو واضح اور متعین کر دیا گیا ہے تاکہ انسان محض جذبات کی رو میں بہ کر نا انصافی کا مرتکب نہ ہو اور معاشرہ صحتمند بنیادوں پر قائم رہے اور ارتقاء کے مدارج طے کرتا رہے۔ اسلامی نظام معاشرت کی ان بنیادوں کو سمجھ لینے کے بعد مختصر ان اصول اور طریقوں کا جائزہ لیا جائے گا جو اسلام نے معاشرے میں یگانگت و ہم رنگی پیدا کرنے اور انسانی اجتماع کی مختلف صورتوں کو ترقی دینے کے لئے مقرر کئے ہیں اس سلسلے میں جو مستقل ادارے قائم کئے گئے مثلاً خاندان، قربت، محلہ، مسجد، احترام روایات، نظام تعلیم اور حدود و تعزیرات وغیرہ کا باقاعدہ نظام رکھتے ہیں۔

حیدر زمان صدیقی اس سلسلے میں لکھتے ہیں: اسلام نے اجتماع نوع انسانی کی بنیاد صرف دنیاوی منافع کے تصور پر نہیں رکھی تاکہ انسانی ذہن خود غرضیوں کی آماجگاہ بن نہ رہ جائے اور جیسا کہ نیکی کے کاموں میں تعاون اور برائی کے کاموں سے منع کرنے کا حکم دیا گیا تعاون یقیناً ضروری ہے انسان فطرتاً ایک دوسرے کا تعاون چاہتا ہے لیکن اس تعاون کی بنیاد بھی برو تقویٰ، خدا پرستی اور پرہیزگاری پہ ہونی چاہیے اور ثم و گناہ، بے اعتدالی، بے راہ روی میں ہم وطن و ہم قوم تو کجا اپنے باپ اور بیٹے کے ساتھ بھی تعاون نہیں کیا جاسکتا۔ افراد میں اجتماع کی بنیاد نہ نسل ہو سکتی ہے نہ وطن اور نہ ہی رنگ و زبان ہو سکتے ہیں۔ ان بنیادوں پر اسلامی نظام معاشرت میں افراد کی تقسیم کردی گئی مثلاً نیکو کار اور بدکار میں دوستی ممکن نہیں، ظالم اور عادل کا باہم جوڑ نہیں اور اچھے و برے انسان کا باہمی تعلق نہیں ہو سکتا ہے۔⁶³

یعنی اسلامی نظام حیات کا بنیادی تخصص عدل اجتماعی اسلامی نظام معاشرت کو ان خطوط پر استوار کرتا ہے کہ جس کے نتیجے میں معاشرے میں مکمل وحدت، تعاون اور ہم آہنگی کی ضمانت ملتی ہے اور عدل اجتماعی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے یہ فضا مزید مستحکم ہوتی ہے اس میں نشو و نما کا عمل جاری و ساری رہتا ہے جو کہ اسلامی نظام معاشرت کی جڑیں مضبوط کرنے کا باعث بنتا ہے اور نتیجتاً ایک مثالی معاشرے کا قیام عمل میں آتا ہے جو کہ دنیاوی و اخروی فلاح کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور یہی عدل اجتماعی کا مقصود ہے۔

نتیجہ (Conclusion)

اب ہم اس بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام معاشرت میں عدل اجتماعی کا اطلاق معاشرے کے تمام تر پہلوؤں پر ہوتا ہے اور انسانی زندگی کے مجموعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ہر شعبے پر لاگو ہوتا ہے اسلامی طرز زندگی کا تمام تر فلسفہ ہی انسان دوستی پر مبنی ہے اور چونکہ یہ سارا انتظام اللہ پاک کا وضع کردہ ہے اور انہوں نے انسانی تخلیق کے وقت ہی انسانی فطرت میں کچھ ایسی حیات رکھیں جو اگر انسان میں بیدار رہیں تو وہ اسے مقام انسانی کے عروج تک پہنچاتی ہیں۔ جیسا کہ انسان کے اندر اخلاقی حس ایک فطری حسن ہے جس کی بنا پر انسان بعض صفات کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتا ہے یہ انفرادی طور پر انسانوں میں کم و بیش ہو سکتی ہیں لیکن مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی کا اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے۔ سچائی، انصاف، عہد کا پاس اور امانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں تعریف کا مستحق سمجھا گیا ہے اور کبھی کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب جھوٹ، ظلم، بد عہدی اور خیانت کو پسند کیا گیا ہو۔ ہمدردی فیاضی اور فراخ دلی کی ہمیشہ قدر کی گئی ہے خود غرضی، سنگ دلی، اور تنگ نظری کی جگہ ہمیشہ صبر و تحمل، استقلال، اولوالعزمی اور شجاعت جیسے اوصاف کو ہی داد کا مستحق سمجھا گیا ہے۔ انسانی اخلاقیات دراصل وہ عالم گیر حقیقتیں ہیں جس سے ہمیشہ انسان کی شناسائی رہی ہے نیکی اور بدی کوئی ڈھکی چھپی چیزیں نہیں ہیں ان کا شعور تو آدمی کی فطرت میں ازل سے ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید اپنی زبان میں نیکی کو ”معرفة“ اور بدی کو ”منکر“ کہتا ہے یعنی نیکی وہ جسے سب انسان بھلا جانتے ہیں اور منکر وہ جسے کوئی بھی بھی نہیں جانتا۔ یعنی نفس انسان کو اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور برائی کی واقفیت الہامی طور پر عطا کر رکھی ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھلائی اور برائی جانی پہچانی چیزیں ہیں اور دنیا ہمیشہ سے بعض صفات کے نیک اور بعض کے بد ہونے پر متفق رہی ہے تو پھر دنیا میں مختلف اخلاقی نظام اور نظریے کیوں ہیں اور اخلاق کے معاملے میں اسلام کا وہ خاص عطیہ کیا ہے جو اسے دیگر نظاموں سے ممتاز کرتا ہے اور وہ خاص عطیہ یہ ہے کہ یہ نظام خالصتاً اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

(الهوامش References)

- ¹ - سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ترجمہ ”العدالة الاجتماعية في الاسلام“، مترجم: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز، 2006ء، لاہور، ص: 245
- Syīd Qutab Shahīd, Islām Mein Adal Ijtimāyī, Aladālatul Ijtimāyia Filislām, Translation: Dr. Nijāt ullah Siddiqī, Islamic Publications, 2006, Lahore. P:245
- ² - سورة الانعام: 73
- Al-Inām:73
- ³ - سورة الرعد: 16
- Al-Rād:16
- ⁴ - سورة الفرقان: 2
- Al-Furqān:2
- ⁵ - سورة الانبياء: 22
- Al-Anbīyā:22
- ⁶ - سورة الانعام: 18
- Al-Inām:18
- ⁷ - سورة الفاتحة: 3
- Al-Fāteha:3
- ⁸ - خليل الرحمن چشتی، حاکمیت اور قانون سازی کا اختیار ”اسلام کا نقطہ نظر“، ترجمان القرآن (ماہنامہ) اکتوبر، 2007
- Khalīlurehmān Chishti, Hākimiyyat aūr Qanūn Sāzi Kā Ikhtiyār, Islām Kā Nuqta Nazar, Tarjumānūl Qurān(Mahnama)October,2007
- ⁹ - خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی 1975ء ص: 407، 408
- Khūrshid Ahmad, Professor, Islāmī Nazriya Hayat, Shoba Tasneef O Taleef Tarjuma, Karachi,1975,P.407,408
- ¹⁰ - سورة المائدة: 44
- Al-Maeda:44
- ¹¹ - سورة الزمر: 11، 12
- Al-Zumar:11,12
- ¹² - سورة القلم: 4
- Al-Qalam:4
- ¹³ - سورة الشورى: 15
- Al-Shura:15

- ¹⁴ - سورة النساء: 135
- Al-Nisā':135
- ¹⁵ - مسلم، الامام، ابی الحسین بن حجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، صحیح مسلم، دار السلام للنشر والتوزیع، الرياض، الطبعة الثانية، اپریل: 2000، کتاب الحدود، باب: قطع السارق الشريف والنهي عن الشفاعة وغيره، رقم الحديث: 4410
- Muslim, Al-Imām, Abī-ul-Hussain Bin Hajāj Bin Muslim Al-Qashīrī Al-Nisāpurī, Sahīh Muslim, Dārussalām Lilnashar-wat-Tozīh, Al-Riādh, 2nd ed, April 2000, Kitāb-ul-Hudud, Chapter: Qata Alsariq Alsharīf Walnahi En almunkir, P:748, H#4410
- ¹⁶ - گوهر رحمن، اسلامی سیاست، دارالعلوم تفہیم القرآن، مردان، ط: 4، 1989ء، ص: 401، 400
- Gūhar Rehmān, Islāmī Siāsat, Dārul Uloom Tafhīm Ul Qurān, Mardan, Ed,4, 1989, P.400-401
- ¹⁷ - سورة البقرة: 31، 30
- Al-Baqarat:30,31
- ¹⁸ - ول ڈیورانت، اسلامی تہذیب کی داستان، ترجمہ، یاسر جواد، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2006
- Will Durant, Islāmī Tahdīb Kī Dāstān, Translation: Yasir Jawad, Nigarshāt Publishers, Lahore, 2006
- ¹⁹ - پروفیسر خورشید احمد، ترجمان القرآن (ماہنامہ) اشارات، بابت، ماہ، جنوری 2008
- Khūrshīd Ahmad, Professor, Tarjumān Ul Qurān, January, 2008
- ²⁰ - سید صلاح الدین، بنیادی حقوق، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، 1989ء، ص: 9
- Syīd Salāhuddīn, Buniyādī Huqooq, Markazī Maktaba Islāmī, Dehlī, 1989, P.9
- ²¹ - ابوالاعلیٰ، سید مودودی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور: پاکستان، 1978ء، ص: 136، 137
- Syīd Mūdūdī, Mawlānā, Abūl āla, Islāmī Riyāsāt, Lahore, Islamic Publications Ltd. 1978. P:136,137
- ²² - سورة الانعام: 152
- Al-Inām:152
- ²³ - خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 2009ء، ص: 295
- Khālīd Alvī, Dr, Islām Kā Muāshartī Nizām, Al Faisal Nāshirān o Tajirān Kutab Lahore, 2009, P.295
- ²⁴ - سورة بنی اسرائیل: 70
- Bani Isrāil:70
- ²⁵ - سورة المائدة: 32
- Al-Māida:32

- 26- سورة الانعام: 151
Al-Inām:151
- 27- بخاری، الامام ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار السلام للنشر والتوزیع، الرياض، الطبعة الثانية، مارچ 1999، كتاب الحج، باب: الخطبة أيام منى، ص: 281، رقم الحديث: 1741
Al-Buḥārī, Abū, Al-Imām Abī Abdullāh Muhammad Bin Ismā'il, Sahīh Al-Bukhārī, Dārrussalām Lilnashro-wat-Tozīh, Al-Riadh, 2nd Ed, March 1999, Kitāb-ul-Tafsīr, Chapter Surah Al-Munāfiqūn, P:769, H#4900
- 28- سورة الحجرات: 11
Al-Hujrāt:11
- 29- ابوالاعلیٰ، سید مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1981ء 5/ 107
Syīd Mūdūdī, Mawlānā, Abūl āla, Tafhīm Ul Qurān, Idarā Tarjumān Ul Qurān, Lahore. 1981. 5/107
- 30- سورة البقرة: 188
Al-Baqaraṭ:188
- 31- سورة البقرة: 256
Al-Baqaraṭ:256
- 32- سورة آل عمران: 110
Al-Imrān:110
- 33- سورة بني اسرائيل: 16
Banī Isrā'il:16
- 34- سورة النساء: 148
Al-Nisā:148
- 35- سورة البقرة: 29
Al-Baqaraṭ:29
- 36- سورة الملك: 15
Al-Mulk:15
- 37- سورة البقرة: 188
Al-Baqaraṭ:188
- 38- سورة المعارج: 24، 25
Al-Ma'ārij:24,25
- 39- سورة الحشر: 59
Al-Hashar:59

- 40- صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب: من ترك ما لا فلو رثته، ص: 707، 708، رقم الحديث: 4160
Sahīh Muslim, Kitāb -ul-Farāiz, P.707,708, Chapter: H#4160
- 41- خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص: 395
Khālīd Alvī, Dr, Islām Kā Muāshartī Nizām, 2009, P.395
- 42- سورۃ الذاریات 56:51
Al-Zāriyāt:56
- 43- سورۃ الحج: 41
Al-Hajj:41
- 44- الترمذی، الامام الحافظ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابن موسیٰ، جامع الترمذی، دار السلام للنشر والتوزیع: الرياض، الطبعة الاولى، اپریل 1999 م، کتاب الدعوات، باب: دعاء: ((اللهم إني أعوذ بك من قلب لا يخشع.....))، ص: 795، رقم الحديث: 3482
Al-Tirmdhī, Al-Imām Al-Hāfiz Abī Isa Muhammad Bin Isa Bin Sūrah Ibn-e-Musa, Jamey Al-Tirmdhī, Dārrusalām Lilnashro-wat-Tozīh:Al-Riādh, 1st ed, April 1999, Kitāb-uz-Zuhd, P:795, H#3482
- 45- سورۃ البقرۃ: 31
Al-Baqarat:31
- 46- سورۃ البقرۃ: 32
Al-Baqarat:32
- 47- سورۃ الجمعہ: 2
Al-Juma:2
- 48- سورۃ الزمر: 39
Al-Zāmr:39
- 49- صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب: خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، ص: 901، رقم الحديث: 5027
Sahīh Bukhārī, Kitāb-ul-Ahkām, P.901, Chapter: H#5027
- 50- جامع الترمذی، کتاب العلم، باب: ما جاء في الاستیصاء بمن یطلب العلم، ص: 602، رقم الحديث: 2650
Jamey Al-Tirmdhī, Kitāb-ul-Ilm, P.602, Chapter, H#2650
- 51- احمد بن حنبل، الامام، ابی عبد اللہ الشیبانی، مسند الامام احمد بن حنبل، دار احیاء التراث العربی بیروت۔ لبنان، الطبعة الثانیة، 1415ھ، 1/ 408، رقم الحديث: 2217
Ahmad Bin Hanbal, Al Imām, Abī Abdullāh Alshībānī, Musnad AlImām Ahmad Bin Hanbal, Dār Ahyā ul Turās Alarbī, Beirut-Lebnon, 2nd Ed, 1499, P. 408, H#2217
- 52- سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ترجمہ ”العدل الایجابی فی الاسلام“ مترجم: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ص: 97، 98
Syīd Qutab Shahīd, Islām Mein Adal Ijtimāyī, Aladālatul Ijtimāyia Filislām, Translation: Dr. Nijāt ullah Siddiquī, Islamic Publications, 2006, Lahore. P:97,98

- 53- سورة التوبة: 71
Al-Taūba:71
- 54- سورة العاديات: 100
Al-Ādiyāt:100
- 55- سورة بني اسرائيل: 100
Bani Isrāīl:100
- 56- صحيح بخاری، کتاب الأحکام، باب: السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، ص: 1229، رقم الحديث: 7142
Sahīh Bukhārī, Kitāb-ul-Ahkām, P.129, Chapter:H#7142
- 57- سورة بني اسرائيل: 17
Banī Isrāīl:17
- 58- صحيح بخاری، کتاب النکاح، باب: ﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (التحریم 6:6)، ص: 926، رقم الحديث: 5188
Sahīh Bukhārī, Kitāb-ul-Nikāh, P.926, Chapter:H#5188
- 59- سورة المجادلة: 58
Al-Mujadila:58
- 60- سورة الحجرات: 11
Al-Hujarāt:11
- 61- صحيح مسلم، کتاب الايمان، باب: الدليل على أن من خصال الايمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، ص: 41، رقم الحديث: 170
Sahīh Muslim, Kitāb -ul-Eīmān, P:41, Chapter: H#170
- 62- صحيح بخاری، کتاب الأحکام، باب: السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، ص: 1229، رقم الحديث: 7143
Sahīh Bukhārī, Kitāb-ul-Ahkām, P.1229, Chapter:H#7143
- 63- حيدر زمان صدیقی، اسلامی نظریہ اجتماع، نفیس اکیڈمی آف سٹڈیز، کراچی، پاکستان، ط: 1، 1983ء، ص: 18-20
Haider Zamān Siddiqī, Islāmī Nazriya Ijtimā, Nafis Academy Afist Printers, Karachi:Pakistan, Ed.1st, 1983, P.18-20